Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

”نے چراغ نے گلے“ میں معاشرتی مسائل کا جائزہ

An examination of social problems in "Ne Chirag Ne Gule".

ڈاکٹر صائمہ اقبال

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

زکریا عارف

اسکالر ایم۔فل شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

محمد سعد

لیکچرار شعبہ اردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

At the end of "Ne Chiraghe Ne Gule" there is a detailed analysis of the issues related to freedom. Incidents of disorder, communalism, riots, abduction of women, dacoity were mentioned which were important social problems of that time. Nisar's thinking in this novel is the interpreter of the novelist's philosophical ideas. This role is also a social role like other roles, but their ideals become associated with national and international interest out of self-torture or self-imposed. He wants to establish a paradise-like society free from religious prejudices, racial pride and feelings of inferiority and language and color to promote social equality and human compassion. But such a free and humanistic society is nowhere to be seen.

Keywords: Nisar Aziz butt, Ne Chiraghe Ne Gule, Incidents of disorder, communalism, riots, abduction of women, dacoity, religious prejudices, racial pride.

ادب کی تخلیق ایک سماجی عمل ہے۔ شاعر اور ادیب اپنے عہد کے صاحب باشعور افراد ہوتے ہیں۔ وہ اپنے سماج سے متاثر ہوتے ہیں

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

اور اس برے طرح اثرانداز بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا سماجی تناظر کو پیش نظر رکھے بغیر ان کارناموں کا جائزہ سطحی اور ناقص ہوگا۔ لہٰذا نثار عزیز بٹ کے ناولوں کا سماجی جائزہ بھی وقت اور ادب کی اہم ضرورت ہے۔ ادیب ایک صاحب ذمہ دار ہوتا ہے جن کو اپنی ملازمت اور خاندان کے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ جن کے تقاضوں کو بھی نباہنا ہوتا ہے۔ نثار عزیز بٹ نے بہت پر وقار انداز میں اس فرض کو نباہنے کی کوشش کی ہے بلکہ کہیں کہیں تو ان کے واعظانہ بیانات قاری کو بے طرح محسوس ہوتے ہیں لیکن ان سے علمیت مصنفہ آشکار ہوتی ہے۔ نثار عزیز بٹ نے ۹ جنوری 1927ء کو ضلع مردان کے ایک سادات گھرانے میں آنکھ کھولی۔ والد کا نام میاں عبدالعزیز تھا۔ ان کا تعلق کاکا خیل خاندان سے ہے جس کا نسب امام جعفر صادق علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ ان کی والدہ سیالکوٹ کے ایک شیخ خاندان سے ہیں جب کہ ان کی نانی اماں کابل سے آئیں۔ اسی وجہ سے وہ بہت سی زبانیں بول سکتی تھیں جیسے کہ پشتو، پنجابی، ہندکو، فارسی وغیرہ۔ اس کے علاوہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں پر عبور رکھتی تھیں۔ جہاں تک ان کی اُردو زبان کا تعلق ہے تو وہ بہتر طور پر یہ دعویٰ کر سکتی ہیں کہ چونکہ وہ ایک اردو مصنف دادا کی پوتی ہیں جو ایک صوفی بھی تھے اور جنہوں نے ''علاج القلب'' کے نام سے کتاب لکھی۔

نثار عزیز بٹ نے اسلامیہ کالج برائے خواتین اور گورنمنٹ کالج برائے طلباء پشاور سے تعلیم حاصل کی۔ انگلش، اردو اور فلاسفی کی ایک سنجیدہ طالبہ ہونے کے ساتھ ساتھ انہوں نے تعلیم میں ایک مخصوص میدان کا انتخاب کیا۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے ریاضی کا امتحان اول پوزیشن میں پاس کیا۔ پشاور اور کراچی کے مختلف کالجوں میں یہ مضمون پڑھایا ۔ان کا پہلا ناول ''نگری نگری پھرا مسافر'' 1955ء میں مکتبہ اُردو نے چھاپا۔ ان کا دوسرا ناول جو کہ تقسیم ہند کے پس منظر میں لکھا گیا ''نَے چراغ نَے گلے'' 1973ء میں احم اشعر پبلشرز نے شائع کیا۔ ان کا تیسرا ناول ''کاروانِ وجود'' 1980ء میں احمر اشعر پبلشرز ہی سے شاعت کیا گیا۔ چوتھا ناول ''دریا کے سنگ'' 1986ء میں سنگ میل پبلشرز کے زیرِ اہتمام اشاعت پذیر ہوا۔ پانچویں کتاب ''گئے دنوں کا سراغ'' جو کہ ایک خود نوشت سوانح عمری ہے وہ سنگ میل پبلی کیشنز ہی کے توسط سے منظرِ عام پر اور مارکیٹ میں دستیاب ہے

نثار عزیز بٹ کے اہم کردار کی فلسفیانہ سوچ کو ظاہر کرتے ہیں۔ جن کی گفتگو سے قاری اکتاہت اور بوریت کا شکار ہونے لگتا ہے کہ انسانی مزاج نصیحت آمیز لہجوں کو ایک حد تک برداشت کر سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ ناول کی طوالت میں اس قدر گنجائش ہوتی ہے کہ فلسفیانہ گفتگو لازمی امر ہے۔ یہ ناول نگار کے خیالات و تصورات کو آشکار کرتے ہیں۔ ہر انسان شعوری یا لاشعوری طور پر خود نمائی کا خواہاں ہے۔ فنکار اپنی اس خواہش کو ایک فن پارے کی مدد سے پورا کرتا ہے اور ناول نگار کو تو ایک ناول کے ذریعے ایک وسیع و عریض میدان میسر آجاتا ہے۔ لیکن اس اظہار کی کڑیاں اس کے معاشرے اور معاشرتی مسائل میں پیوست ہوتی ہیں۔ خود نمائی کے اس جنون میں ادیب اپنے

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

معاشرے کے دیرینہ مسائل کو بھی آشکار کرتا چلا جاتا ہے۔ نثار عزیز بٹ کا دوسرا ناول جس کا عنوان مغل شہزادی جہاں آرا کے خوبصورت شعر کا حصہ ہے۔ ناول پر باقاعدہ تبصرے سے پہلے شعر ملاحظہ کریں۔

برمزار ما غریباں نے چراغے نے گلے

نے پروانہ سوزونے صدائے بلبلے(1)

''نے چراغ نے گلے'' آٹھویں دہائی کے اوائل میں منظر عام پر آیا۔ نثار نے اس میں برصغیر کے تمام سیاسی، معاشرتی، تاریخی حالات اور سماجی رجحانات کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ یہاں کئی کردار ہیں اور کہانی کئی سطحوں پر وسعت اختیار کر لیتی ہے۔ تحریک پاکستان سے محبت انگریزوں سے نفرت کا روایتی موضوع خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' کی طرح یہاں بھی موجود ہے۔ اس دور کے مقبول ناولوں میں آبلہ پا، خدا کی بستی، تلاش بہارا، اداس نسلیں، آگ کا دریا شامل ہے۔ یعنی صنف ناول میں مسابقت کے لیے اچھے اور معیاری ناول موجود تھے۔ سنجیدہ ذوق رکھنے والے قارئین نے نثار عزیز بٹ کے ناول ''نے چراغ نے گلے'' کو بھی پسند کیا۔ تاریخی واقعات اور سیاسی پیچیدگیوں کو نثار نے بیانیہ انداز سے پیش کیا ہے لیکن وہ اپنے مزاج کے فلسفیانہ اور واعظانہ رنگ سے کنارہ نہ کر سکیں اور سیاسی واقعات میں ذاتی نقطہ نظر کی آمیزش کو قاری شدت سے محسوس کرتا ہے۔ لیکن اس سے تاریخ جیسے خشک موضوع کو ادبی چاشنی کا ذائقہ نصیب ہوتا ہے اور قاری کی فکر کو توسیع سے نوازنا بھی ان فلسفیانہ بیانات کا مقصد ہے۔ اس سے ناول کا مجموعی تاثر کمزور ہونے کی بجائے زیادہ دلفریب ہو جاتا ہے۔ ناول کی کہانی میں جنگ آزادی، تحریک خلافت، سائمن کمیشن کی آمد، سول نافرمانی کی تحریک سے لے کر برصغیر پاک و ہند کے بٹوارے تک کے حالات پر مفصل تبصرے ملتے ہیں۔ ڈاکٹر سید جاوید اختر لکھتے ہیں:

> ''یہ ناول اُردو زبان کے گنتی کے چند ناولوں میں سے ایک ہے جس میں عصر حاضر کی تاریخ کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا گیا۔''(2)

ہندوستان میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے آگہی اور غلامی کی زنجیروں میں قید ہونے کی کمائیگی آزادی کی جدوجہد اور اس کی راہ میں آنے والی مشکلات کا سامنا اور آزادی کے بعد مملکت نو میں سیاسی، سماجی مسائل کا احساس مصنفہ کی تحریروں میں کہیں زیریں اور کہیں بالا سطح پر موجود ہے۔

> ''ہم اپنی جہالت سے ذلیل ہیں اور انگریزی بیداری سے حاکم ہے لیکن اس کا علاج یہ تو نہیں کہ ہندو انگریز کے

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

خلاف جدوجہد کریں اور ہم گھر میں گھس کر بیٹھے رہیں۔ دنیا میں اگر ہمارے لیے ذلت ہے تو شہادت کی سعادت سے تو ہم محروم نہیں ہیں۔ بے عملی سے تو غلط عمل ہی بہتر ہے۔"(3)

حبیب اللہ خان بدستور منطقی انداز میں بولے کہ مسلمان کب گھر میں بیٹھے ہیں؟ جلیانوالہ والا باغ کے واقعے میں جمع کی نماز پڑھنے کون گیا تھا؟ اور یہ پچھلے دنوں ہجرت میں ہزاروں لوگ بے گھر، بے در ہوئے، یہ کون تھے؟ مسلمان سادہ لوح ہیں۔ اپنے خون کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ انگریز جائے گا حکومت ہندو کے ہاتھ میں لے جائے گا۔ مسلمانوں کو اپنا خون بہانے سے کیا حاصل ہو گا؟

ناول اپنے موضوع کے حوالے سے اپنے عنوان کی بہترین غمازی کرتا نظر آتا ہے کسی بھی تحریر کے عنوان کا انتخاب صاحب تحریر کے ذوق اور باطنی فکر کا عکس ہوتا ہے۔ یہ عنوان بھی مصنفہ کی سنجیدہ، مزاجی کیفیت اور غم پرستی کا آئینہ دار ہے۔ نثار عزیز بٹ کی تحریریں ان کی علمیت کا ثبوت ہے۔ وہ اپنے علم و فن کو اپنی ذات میں پنہاں رکھے۔ تمام عمر خاموشی سے مصروف عمل رہیں۔ وہ سستی شہرت پر یقین نہیں رکھتی تھیں۔ وہ اپنی گوشہ نشینی میں مگن اپنے کرداروں اور مکالموں کے ذریعے زندگی کے فلسفے کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش میں سرگرداں رہیں:

"مرض قلب کا حب دنیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ دنیا کسے کہتے ہیں؟ جس سے محبت کرنا مذموم ہے۔ پس دنیا اور آخرت دل کے دو احوال کا نام ہے۔ جو حال کی موت سے پہلے ہے۔ اس کو دنیا کہتے ہیں جو حال کی موت کے بعد ہے یعنی بے متاخر ہے اسے آخرت کہتے ہیں۔"(4)

ناول میں نثار عزیز بٹ نے ادب کے حوالے سے قومیت آزادی اور مساوات وغیرہ کے پیغامات عوام تک پہنچائے ہیں۔ ادب کی بنیاد مادی حقائق اور سماجی شعور پر قائم ہوتی ہے۔ نثار کے ہاں ادب براہ راست زندگی اور اس کے مسائل سے نبرد آزما ہے اور روشن مستقبل کی طرف اشارہ ہیں۔ ادب اور فنون لطیفہ کی ہی نمایاں خوبی ہونی چاہیے کہ وہ سماج سے فیضان حاصل کرتا ہے اور پھر اسی زندگی اور سماج کو فیض یاب کرتا ہے۔ نثار عزیز بٹ کے ہاں زندگی اور ادب دونوں کا مرکز و محور انسان ہے۔ ان کے ہاں کردار زندگی کے مختلف طبقوں، شعبوں اور ذہنی کیفیات کی نمائندگی کرتے ہوئے مختلف قسم کے احساسات و جذبات میں جیتا مرتا ہے۔ مسرت، اذیت، متاوی و غم، جمال و جلال، نیک و بد اس کی جبلت کے حصے ہوتے ہیں۔ "نے چاغ نے گلے" کے یہ رنگا رنگ کردار چاہے وہ جمال افروز ہو، پدمنی، خانم، عثمان، حبیب اللہ، در شہوار، من موہن یا انگریز کردار ہو وہ اپنے تخلیق کار کے سماجی مشاہدے کا نتیجہ ہی ہو گا اور سماج کے کسی نہ کسی مسئلہ یا اس کے حل کی طرف

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

راہنمائی کرتا ہے۔ مردان کے محل نما مکانوں میں مرد و زن کی زندگی دلچسپیوں اور احساسات کو بیان کرنے میں نثار عزیز بٹ جس فنی اختصار سے کام لیتی ہے وہ قاری کو اپنی جانب متوجہ کر کے مزید تفصیلات جان لینے کے لیے بے چین کرتا ہے اور قاری کے ترحم کے جذبات کو بھی ممیز دیتا ہے:

> ''بڑے زمیندار ہوتی مردان میں بڑے بڑے احاطوں کے اندر، زنانے اور مردانے کی تخصیص سے بڑے بڑے مکانوں میں رہتے تھے۔ مرمیں خواتین اپنے عملے کے ساتھ زیادہ وقت بٹیر بازی، حجرہ نوازی اور عیش پرستی میں گزارتے۔ زنانے میں ان کی بیوی یا بیویاں، بچوں اور خادماؤں کے ایک غول کے ساتھ محدود لیکن سونے جواہر سے لدی ہوئی غیر مطمئن زندگیاں بسر کرتیں اور اندر ہی اندر وسیع پیمانے پر گھریلو سیاست چلاتیں۔'' (5)

ناول میں سرحد کے علاقوں کی معاشرت کے خانگی امور کی تفصیلات اور مسائل اور سماجی زندگی کے حقیقی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ نثار عزیز بٹ کو یقیناً اصلاحی تحریکوں اور ان کے نتیجے میں ہونے والی تبدیلیوں کی پروردہ کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے پرنای بندشوں سے آزاد ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جمہوریت کی طرف بڑھتا ہوا رجحان جبر، استداد کے خلاف ایک نئے طرز فکر، نئے تصورات اور خیالات کو پروان چڑھایا۔ ناول ''نے چراغ نے گلے'' میں جمال افروز شادی کے بعد اپنے آپ کو ماں (خانم) کے اثرات سے آزاد اور قدرے بہتر محسوس کرنی ہے۔ نثار عزیز بٹ اس کے جذبات کو اس کے گھر کے منظر کے ذریعے اجاگر کرتی ہیں۔ اسی کے چلو میں وہ پارا چنار کے گھروں کی معاشرت کو بھی بیان کرتی ہیں:

> ''روزا جو عمر بھر اینٹوں کے صحن اور اینٹوں کی دیوروں میں محصور رہی تھی اس چھوٹے سے گھاس کے قطعے پر لیٹ کر عجب آزادی اور مسرت کا احساس کرتی۔ حالانکہ گھاس کا یہ قطعہ رحم انگیز حد تک چھوٹا اور محصور تھا۔ عشق پیچاں ی بیلیں، کاسنی پھولوں کے ان گنت جھرمٹ لئے مکان کی بدنما پچھلی دیوار کو ڈھانپنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھیں۔ دس فٹ اونچی چٹائی کی سہ طریفہ دیوار خاکی اور بدصورت تھی۔ ہاں جب روزا گھاس پر لیٹ کر اوپر نظر کرتی تو چاروں دیوروں کی بدنمائی پس منظر میں چلی جاتی اور روزا نیلے آسمان، سفید بادلوں اور گھاس میں اگے ہوئے منے منے خودرو پھولوں کی دنیا میں ذہنی آسودگی محسوس کرتی۔''(6)

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

بنیادی طور پر ناول بڑے کینوس کا ناول ہے اور اس کے تجربے کے دوران مذکورہ بالا موضوعات کا ابھرانا ایک منطقی عمل ہے۔ ''نے چراغ نے گلے'' نثار عزیز بٹ کی متنوع تخلیقی جہات کا ثبوت ہے۔ لیکن بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ ایک نیم تاریخی اور نیم سیاسی ناول ہے۔ اس ناول میں تحریک پاکستان اور قیام پاکستان جیسی سیاسی کہانی کے جلویں زندگی کے اور معاشرت کے مختلف پہلوؤں ہندو مسلم دونوں گھرانوں کے حوالے سے دکھایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سلطانہ بخش کی رائے بڑی بر محل معلوم ہوتی ہے۔

> ''یہ نثار عزیز بٹ کا دوسرا ناول ہے۔ اس کا موضوع تحریک آزادی ہے۔۔ ناول نگار نے صبہ سرحد کے مسلم معاشرے اور ریفرینڈم کے ہنگامہ خیز دور کی خوب صورت عکاسی کی ہے۔''(7)

یہ ناول اپنے اندر اپنے موضوع کے اعتبار سے اپنے جزوی دیگر موضوعات کو دامن میں سمیٹے ہندوستان اور پاکستان کی آزادی کی جدوجہد کی کہانی کو اپنے اسباب واثرات کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ ناول میں طویل اقتباسات تاریخ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ لیکن بہر حال ناول فنی لحاظ سے گتھا ہوا اور منظم ہے۔ اگرچہ ناول میں روایتی ناولوں کی طرح کوئی ہیرو نہیں، نہ ہی کوئی ہیروئین۔ جیسا کہ ان کے پہلے ناول میں مرکزی کردار ''افگار'' ہے۔ ''نے چراغ نے گلے'' میں تاریخ کو مسئلہ حیثیت حاصل ہے۔ لیکن ناول میں مختلف کردار ہیں۔ اگر تجزیہ کیا جائے تو ان کے یہ بیشتر کردار بھی محبت یا شادی کے عمل سے دوچار نظر آتے ہیں۔ مثلاً میر زادہ اور ضیاءاللہ کی شادی پدمنی اور منیر کی شادی من موہن اور جمال افروز کی محبت خورشید اور عالیہ کی شادی، جیمز اور آیتوی کی شادی، من موہن اور آئیوی کا رومانس، پدمنی اور صنوبر کی محبت اس خیال کو تقویت دیتے ہیں کہ نثار عزیز بٹ اپنے فلسفے اور سنجیدگی میں محبت، عشق و محبت کے معاملات کو بھی اپنی فکر کی انفرادیت کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ پدمنی اور منیر دو الگ مذہب کے باشندے ان کی آپس میں شادی ''اکبر کی صلح کل'' کی حمایت کرتی ہے۔ شادیوں اور محبتوں کے ان سلسلوں میں ناول کے مرکزی خیال کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ لیکن ان شادیوں اور محبتوں کے اس سلسلے میں سماج اور سماجی مسائل کی نشاندہی نمایاں ہے۔ میر زا ادیب لکھتے ہیں کہ:

> ''نثار عزیز نے ناول لکھا ہے۔ ناول لکھنے کی خاطر اس میں مجموعی روایت کے مطابق کوئی پیرو نہیں۔ کوئی ہیروئین نہیں مرکزی کردار یقیناً ہیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی ہیرو یا ہیروئین کی مسلمہ حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ یہ ناول واقعاتی پیچ و خم اور نشیب و فراز کا ناول ہے ہی نہیں۔ اس میں مربوط واقعات ڈھونڈنے کی کوشش غالباً کامیاب نہیں ہو گی۔ کیونکہ ناول روداد ہے چند حساس ذہنوں کی جو برصغیر کے ایک ملک گیر

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

سیاسی آشوب کے عہد میں جیے اور جو اپنے زمانے کی ہمہ زائیوں اور اپنے طبعی امیال و عطاوف کے زیر اثر گونا گوں الجھنوں میں مبتلا رہے۔ یہاں واقعاتی رد محض اس لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے کہ یہ ان کرداروں سے ہم آہنگ یا متصادم ہوتی رہتی ہے۔ ایسے کرداروں کے نفسی کوائف سے الگ کر کے دیکھیں تو اس کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔"(8)

ناول کے فنی محاکے کے لیے میرزا ادیب کے درجہ بیان سے کافی مدد لی جاسکتی ہے۔ جب کسی فن پارے کے سماجی معاشرتی تجزیے کی بات ہو تو ضروری ہے کہ اس کے فنی لوازم کا بھی خوبیوں اور خامیوں کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تاکہ فن پارے کے نظریاتی اور فن محاسن کے دعوائب کھل کر سامنے آئیں۔

انسان اپنے فطری اور جبلی تقاضوں کے تحت اور گرد و پیش کے ماحول کے زیر اثر ایک مخصوص فضا اور ماحول میں پرورش پاتا ہے۔ ادیب اور کہانی کار اپنی دلچسپی، تصور اور تخیل سے نئی نئی دنیائیں بناتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں فطرت بھی مددگار ہوتی ہے لیکن ان میں سے کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کا تعلق سماج سے نہ ہو۔ نثار عزیز بٹ نے بھی مشاہدے اور تخیل کی مدد سے سماجی منظر نامے تشکیل دیئے ہیں جو ان کے ناول کی کہانی کو موثر پس منظر فراہم کرتے ہیں:

"مردانے میں حسب معمول صبح کی گہما گہمی تھی۔ سائیں اصطبل کے سامنے کھڑا تانگہ کھول رہا تھا۔ دربان تانگے میں سے سامان اتروا چکا تھا، گھی کے کیسز، چاول اور گندم کی بوریاں، دالیں، سوجی، سویاں، میدہ، مسالہ، خشک میوہ، چھٹی کا دن تھا، اس لیے ڈپٹی صاحب بازار سے سودا خود ہی خرید کر لائے تھے۔"(9)

ناول ایک وسیع بیانیہ فارم ہوتا ہے۔ نثار عزیز بٹ نے اس وسیع و عریض کینوس میں رنگا رنگ سماجی تصاویر کھینچی ہیں لیکن ان تصاویر میں سنجیدگی کی گھمبیرتا کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جو نثار عزیز بٹ کی شخصیت کا حصہ ہونے کی وجہ سے تحریروں میں اترا ہوا ہے۔ ناول کے ان منظر ناموں میں جامع پن ہے۔ ناول میں مختلف کہانیوں کو باندھنے کی ایک مسلسل کوشش کو صاف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ ناول میں مسلمان، ہندوؤں اور انگریزوں کی معاشرت اور تہذیبوں کو ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے تحریک آزادی ملک کے دوسرے سیاسی مسئلوں پر شدید رویوں کے ساتھ ساتھ مفاہمت کی اس کاوش کو سراہا جانا ضروری ہے۔ ناول قاری کی بے اختیار یکسوئی حاصل کرنے سے قاصر ہے، واقعاتی الجھاؤ کہیں کہیں ناقابل برداشت حد تک دلچسپی سے عاری ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جہان پر سیاست اور تاریخ پر طویل بیانات

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

مکالموں کے بغیر سامنے آتے ہیں۔ادب کی بکھری ہوئی من گھڑت کہانیوں میں بھی عجیب و غریب سچائیاں ہوتی ہیں۔ درج ذیل اقتباس میں سماجی منظر نگاری صرف ایک منظر صرف ایک منظر نہیں بلکہ منظر کے پس منظر ہیں ایک تہذیب ایک علاقے کی معاشرت اور معاشرتی قبائل کی کہانی نظر آتی ہے:

> ''اندر کشادہ لیکن کچے صحن میں ایک دیوار کے ساتھ دو تین چولھے جل رہے تھے اور دوسری طرف تنور میں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ یہ کچی مٹی کی کھلی حویلی تھی جس میں آمنے سامنے کوٹھڑیاں اور برآمدے بنے ہوئے تھے۔ حبیب اللہ خان کی دو بیویاں زندہ تھیں، اور وہ دونوں الگ الگ کمروں میں رہتی تھیں، ایک طرف حبیب اللہ خان کا دوسرا بیٹا نصیر اللہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ خود حبیب اللہ خان ایک طویل تنگ کمرے میں جس میں صرف ایک دروازہ تھا اور جو لحد سے مشابہ تھا۔ گھر کے ایک کونے میں رہتے تھے۔ اس کمرے میں صرف ایک چارپائی تھی اور طاقتوں میں کتابیں اور قرآن شریف ایک تخت پوش پر جاء نماز تہہ کی ہوئی رکھی رہتی تھی۔''(10)

تسلسل بیان اور وسعتوں کے حامل یہ مناظر کسی ایک فرد یا خیال کو پیش نہیں کرتے بلکہ خیالات اور واقعات کی بھیڑ لیے ہوئے ہیں۔ کھل مٹی کی حویلی میں حبیب اللہ کے خاندان کے ہر فرد کی کہانی الگ انداز سے قاری کو چونکاتی ہے اور حبیب اللہ کا طویل تنگ کمرہ جو لحد سے مشابہ ہے اور جس میں ایک چارپائی کتابیں اور قرآن شریف پڑھائے اس کی خاندان کے باقی افراد سے الگ الگ تھلگ رہنے کی داستان سناتے ہیں۔ نثار عزیز بٹ جیسے انسان دوست فن کار کا سماج کے تمام مسائل س ے وابستہ ہونا فطری عمل ہے۔ لیکن انہوں نے ''نے چراغ نے گلے'' میں ان مسائل کو سیاسی و سماجی تناظر میں ایک نئے زاویے کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات 1707ء کے ساتھ مسلمانوں کا جو سیاسی زوال شروع ہوا وہ 1857ء تک اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اور تکلیف وہ امر تو یہ ہے کہ سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ جو انحطاط مسلمانوں کی مذہبی، سماجی تمدنی اور معاشی زندگی میں آیا اس نے انہیں اور بھی بے دست و پا کر دیا۔ حالات کا سامنا کرنے کی بجائے مسلمان قدامت پسندی کے خول میں محبوس ہو کر رہ گئے اور نثار عزیز بٹ کے ماڈل ''نے چراغ نے گلے'' میں ان اسباب و وجوہات کو دردمندی سے بیان کیا ہے۔

انسان معاشی اور معاشرتی زندگی گزارنے کے لیے مملکت میں رہتا ہے اور حکومت کے ماتحت زندگی بسر کرتا ہے۔ ہر نیا قانون، نئی

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

سیاسی پارٹی، نئی سیاسی تحریک ایک نئی تاریخ کی طرف لے جاتی ہے۔تاریخ دراصل سماجی واقعات کا ہی خزانہ ہوتی ہے اور اس کی مدد سے سماجی الجھنوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ نثار عزیز بٹ کا ناول ''نے چراغ نے گلے'' کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری پر یہ رمز کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔ من موہن کا آدرش جمال افروز ہے لیکن ایک عاشق سیاسی اور سماجی حالت کے دگرگوں ہونے پر مضطرب اور پریشان ہوتا ہے اور اپنے ارد گرد کے حالات کو غیر جانبدار نظریے سے دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔اس کیفیت میں اس کا آدرش پس منظر میں چلا جاتا ہے اور ملک کے سیاسی و سماجی حالات ابھر کر آدرش میں مرکزی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ جمال افروز کی ضیاء اللہ سے شادی کے بعد پر ملال تو رہا ہے لیکن اس کا ملال اس کو دنیا دینے کی طرف مائل نہیں کرتا بلکہ یونیورسٹی میں خوش آئند مستقبل کی طرف قوت عمل سے گامزن ہوتا ہے:

''لیکچر کے بعد منموہن اور اس کا دوشت درشن بے چینی سے یونیورسٹی کی روشوں پر گھومنے لگے۔ منموہن کے ذہن میں یاک طوفان تھا۔ ادھ کچرے خیالات اور جذبات کا۔ کچھ کر لینے کی امنگ۔ ایک اندرونی قوت کا احساس۔ مستقبل کے لئے خوش آئندہ خیالات و توقعات۔''(11)

سر سید تحریک کے اثرات ناول پر اصطلاحی رجحان کی صورت میں ابھرے اس دور میں ایسے ناول بھی پیش کیے گئے جو براہ راست اور خاص نقطہ نظر سے لکھے گئے۔ گھر ہو یا عورت ان کو سماج سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ نثار عزیز بٹ کے ہاں زبان، عورت کے کردار کو سماج کے سیاسی حالات کے پس منظر میں دکھایا، نثار کے ہاں عورت ایک پختہ فکر عمل کی حامل ہے اور اس کے رویے میں لچک کی کمی دکھائی گئی۔ اپنے کردار میں وہ مکمل پر اعتماد اور ناقابل شدید حیثیت سے ابھرتی ہے جیسا کہ ''خانم'' اور ''مرغے بے'' وغیرہ میں جمال افروز کا کردار سیاسی حالات کی تبدیلی کے اثرات کو گھریلو زندگی پر دکھاتا ہے:

''اس کی کڑھائی اور سلائی قابل دید تھی۔ وہ خود بیل بوٹے ڈیزائن کرتی، کروشیے کے نمونے ایجاد کرتی، جس چیز کو اس کا ہاتھ لگ جاتا وہ گلزار بن جاتی، پڑھائی سے بھی اسے بہت دلچسپی تھی، گھر میں اس نے اردو فارسی پڑھی تھی، اور اب جو کتاب اس کے ہاتھ لگی تھی وہ پڑھ ڈالتی۔ عثمان علی گھر میں صرف ایک ہی پرچہ باقاعدگی سے منگواتے، حققیت قرآن، لیکن پدمنی کی وساطت سے جمال افروز کتابیں خانم کی نظروں سے اوجھل ہو کر بڑھتی کیونکہ خانم کو اس کی دلچسپیاں بالکل پسند نہیں تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ ساری کتابیں عشقیہ ناول ہوتے ہیں اور لڑکیوں کا اخلاق تباہ کر دیتے ہیں۔''(12)

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ادب اور سماج کے رشتے کے بارے میں مختلف ناقدین اور ماہرین کی رائے مختلف رہی ہے۔ بالخصوص شعر و ادب کی کائنات، انسانی ذہن کے توسط سے معاشرہ، تہذیب اور سیاست سے بہر حال اس کا رشتہ وابستہ ہے۔ نثار عزیز بٹ کے ہاں خانگی ماحول کے معاشرتی مسائل کی جانب اشارے ناول کی وسعت میں اضافہ کرتے ہیں تو ان مسائل کو ناول پر حاوی نہیں کیا گیا لیکن ان مسائل کی جانب مختصر مگر واضح اشارے بہر حال موجود ہیں۔

> ''میرا خیال ہے تم کو ڈپٹی صاحب کے گھر شادی نہیں کرنی چاہیے، وہ شہر کی لڑکی ہے ناز و نعم میں پلی ہے تم اس کے اخراجات پورے نہ کر سکو گے۔''(13)

ڈپٹی عثمان کی بیوی خانم کا غریب بھائی اپنی بہن کے زیر دست ہے۔ یہاں امیر نند کے زیر اثر بھابھی اور بھاوج کی جیسے روایتی موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ اور اس طرح کے چھوٹے چھوٹے جملے ناول میں کئی کہانیوں کو بیان کرتے ہیں۔ بھائی نادار تھا اور زیادہ تر اپنی بہن کا مرہون منت رہتا تھا۔ اس لیے گلرخ (بھابی) خانم سے بہت دب کر رہتی تھی۔ نثار عزیز بٹ اپنے ناول ''نگری نگری پھرا مسافر'' میں نوجوان لڑکیوں کی نفسیات کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا لیکن انول ''نے چراغ نے گلے'' میں بھی خواتین کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ نوجوان لڑکیوں پر بے پابندی اور خصوصی طور پر والدہ سے دوری کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ''جمال افروز کے لیے پدمنی کا نازک سا سراپا بہت ہی طمانیت کا باعث تھا۔ باوجود اپنے گھر کی سخت گیر فضائے جمال افروز بڑی نازک اندام تھی۔ اپنی ماں سے ذہنی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت تنہائی محسوس کرتی تھی۔ اس کی بہنیں بہت چھوٹی تھیں۔ باپ اگرچہ شفقت سے پیش آتے تھے۔ لیکن خانم کے سامنے ان کی پیش نہ جاتی۔ اور وہ اپنی بیٹیوں کو ملازماؤں جیسی زندگی گزارنے سے نہ بچا سکتے تھے۔''(14)

ماں کی اس بے جا سختی اور ماں بیٹی کے درمیان بے نام دیوار نے جمال افروز کو تنہائی پسند اور اس قدر دو درنج بنا دیا تھا کہ وہ اپنی شادی کے ہنگاموں اور تیاریوں میں بھی دلچسپی سے حصہ نہیں لے پاتی۔ لیکن غیر ملکوں جوڑے پر اس کے تاثرات اس شخصیت کی محرومیوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ جن کو مطالعہ کے بعد موثر طریقے سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ کریں:

> ''اس نے کبھی غیر ملکیوں کو اتنے قریب سے نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ انہیں بڑے تجسس سے دیکھتی رہی۔ ایک نوجوان غیر ملکی جوڑے کو دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی۔ لڑکی نے ایسا لباس پہن رکھا تھا کہ اس کے باز

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

کمر اور ستانے کھلے تھے اور وہ بے حد محبت سے اپنے ساتھی لڑکے کو دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں سے جو پیار جھلک رہا تھا وہ اتنا ناطق اور موثر تھا کہ وہ بالکل دم بخود رہ گئی اور یہ مختصر وقفہ اس کے ذہن پر کیمرے میں تصویر کی طرح ثبت ہو گیا۔"(15)

سماجی و سیاسی حالات کے محبوسی اثرات جو حبس بے جا جیسی سیاہ رات سے پھوٹ رہے تھے۔ نیا ذہن، نیا سماج ابھر رہا تھا۔ نئی نسل، نئی جذبات، نئے احساسات کے ساتھ انگڑائی لے رہا تھا۔ ماضی کی قدرے بہتر اور خوشگوار مستقبل کے لیے تڑپ درجہ بالا اقتباس میں صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔ جمال افروز اپنی محبت کو چھوڑ کر ضیاءاللہ سے شادی کر لیتی ہے لیکن ہر آدرشی کردار کی طرح یہ کردار مایوسی اور غیر یقینی صورت حال سے دوچار رہتا ہے اور انجام کار مایوسی اس کا مقدر بنتی ہے۔ جب کہ پدمنی کا کردار ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ سماجی روایات کو اس حد تک مقبول کرنا چاہیے۔ جہاں تک وہ وجود اور اس کی اہمیت کو برقرار رکھی۔ پدمنی اول میں جمال افروز کے اہم کردار ہے وہ جس سے وہ محبت کرتی ہے وہ کردار بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے اور پدمنی سے بے وفائی کا مرتکب ہوتا ہے۔ نثار عزیز بٹ نے اس کردار کو ایسے سماجی مسئلے کے حل کے طور پر پیش کیا ہے جو زندگی اور اس کی خوشیوں کو قائم رکھنے کے لیے روایتی سوچ میں تبدیل اور آدرش میں تبدیلی کی علامت کے طو رپر ہمارے سامنے آتی ہے اور انسانی سوچ کی اس لچک کی حمایت کریت ہے جو انسان اور انسانیت کو زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ پدمنی جس سے محبت کرتی ہے وہ بھی جب اسے تفکلیف پہنچاتا ہے۔ اسے جذباتی صدمہ پہنچاتا ہے۔ اسے جذباتی صدمہ پہنچاتا ہے تو ہو شدید رد عمل کے طور پر نہ صرف اسے چھوڑ دیتی ہے بلکہ پورے ہندو سماج کے خلاف بغاوت کرنے کی جرات کرتی ہے۔ وہ مسلمان نوجوان منیر سے شادی کرنے کے لیے مذہب تبدیل کر لیتی ہے وہ اپنے شوہر منیر کے اس آدرش کی بھی بھرپور حمایت کرتی ہے۔ جس کے مطابق مسلمانوں کو ہندوؤں کا حکمران ہونا چاہیے بلکہ منیر اپنی اسی سوچ کی وجہ سے پدمنی کے معیار پر پورا اترتا ہے۔

جس طرح سماج میں طبقاتی تقسیم ہو جایا کرتی ہے اسی طرح ان طبقات میں تہوار بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ہر سماج میں تہوار اور ان کو منانے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن ایک دوسرے کی قربت اور اختلاف کی وجہ سے ایک طرح کی یکجہتی اور یہ طرز زندگی نسل در نسل منتقل ہوتے اور سماج ان کو وقت گزرنے کے ساتھ تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ اپناتا رہتا ہے۔ نثار عزیز بٹ کے ہاں بھی ان رسوم و رواج کا ذکر و حوالہ صوبہ سرحد کی معاشرت کے پس منظر میں ملتا ہے:

"شادی سے ایک ہفتہ پہلے جمال افروز کو مایوں بٹھا دیا گیا۔ اس دوران میں دور و نزدیک سے مہمان پہنچنے لگے

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تھے۔ آس پاس کے کئی مکان ڈپٹی عثمان کی ملکیت میں تھے اور کرائے پر اٹھے تھے۔ شادی کے شمانے میں وہ خالی کرا لئے گئے اور مہمان ان میں آ آ کر اترنے لگے اور وہ چہل پہل، وہ ہنگامہ شروع ہوا کہ مدتوں سے اپنی یکر نگ زندگی سے اکتائی ہوئی عورتوں میں ایک دفعہ پھر زندگی پورے جوش و خروش سے عود کر آئی مایوں کی رسم کے بعد جمال افروز کو ابٹن لگا کر زرد کپڑے پہنا کر ایک دالان میں قالین پر بٹھا دیا گیا۔"(16)

آگے جا کر لکھتی ہیں:

"اتنی ساری عورتیں جو اکٹھی ہوئیں تو بڑی رونق ہو گئی۔ بچوں کے لئے تو خیر ویسے ہی دن عید اور رات شب برات تھی۔ لڑکیاں بھی رات کو اکٹھی ہو کر خوب رونق لگاتیں۔ کمروں کے علاوہ صحن کے وسط میں بھی دریاں اور قالین بچھے ہوئے تھے۔ رات کو کھانے سے فارغ ہو کر مہمان گیس کی جگماتی ہوئی روشنی میں اکٹھے ہوتے تو لڑکیاں ڈھولک بجاتیں، سوانگ بھرتیں اور نقلیں اتارتیں۔ بعض لڑکیاں جو مشن سکولوں میں پڑھتی ہوئی آئی تھیں سکول میں سیکھے ہوئے ناٹک بھی کر ڈالتیں۔ لیکن تسلسل، ہم آہنگی اور نظم کا کسی کو شعور نہ تھا۔ ایک لڑکی اگر بھنگن کی نقل لے رہی ہے تو دوسری بھٹیارن بن کر بیچ میں ہی آ ٹپکی۔ عیسیٰ کی پیدائش کے منظر میں چھوٹے چھوٹے بچے ململ کے اکڑے ہوئے سفید دوپٹوں پر لگائے خوابیدہ آنکھیں لئے فرشتے بنے ہوتے تو معلوم ہوتا کہ سیندوری دھوتی لپیٹے، لمبے بال کندھے پر پھیلائے، ہاتھ میں چمٹا لئے جوگن چلی آ رہی ہے اور کچھ اس طرح کہ خود ہی ہنستے ہنستے دوہری ہو رہی ہے۔ ہنس ہنس کر عورتوں کے رخساروں پر آنسو بہنے لگتے۔" (17)

نثار عزیز بٹ نے ان رسوم و رواج کے پردے میں ہونے والی جبری شادیوں اور اس کے نتیجے میں نوجوان لڑکیوں کی نفسیاتی کیفیات کو بہت جذب اور گہرائی سے بیان کیا ہے۔ نثار کے ناولوں میں مذہب کی تشکیل جدید اور سماجی اصلاح کی اپیل کو محسوس کرتے ہوئے قاری کے دل میں ان نوجوانوں کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے ہیں جو روایات کی بھینٹ چڑھا دیئے جاتے ہیں۔ نوجوان لڑکیاں شادی سے پہلے جن خدشات و تحفظات کا شکار ہوتی ہیں ان احساسات کو نثار نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

"محبت اس کے اپنے دل سے امڈ امڈ کر ساری آلائشوں کو بہالے جاتی تھی اور اس کے دل میں عجیب سی دکھن

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ہونے لگتی تھی لیکن ضیاء کے خیال سے، ٹھوس حقیقت کے سامنے سے، اجنبی گھر میں اپنی مکمل بے بسی کے خیال سے اسے دہشت ہوتی تھی۔ تصور کی دنیا کی خود سپردگی اور حقیقت کے سامنے ڈر کی کپکپی میں اتنا تضاد تھا کہ اس کو نہ وہ خود سمجھ سکتی تھی نہ بیان کر سکتی تھی۔'' (18)

ان رسوم ورواج میں رخصتی کا منظر بے حد دکھی ہوتا ہے۔ اور پھر نثار عزیز بٹ نے اسے جس تناظر میں بیان کیا ہے اس سے وہ اور بھی گھمبیر ہو جاتا ہے۔ اور پھر جمال افروز جس کے ذریعے نثار عزیز بٹ اپنے ایسے مشاہدات کو بیان کرتی ہیں جو ہمارے معاشرے میں جابجا پائے جاتے ہیں۔ اور ان کو محسوس تو ہر کوئی کر لیتا ہے مگر بیان کرنے کی جرات اور ڈھنگ نثار جیسی دردمند اور فنی پختگی کی حامل ناول نگار کے حصے میں ہی آتا ہے:

''خاموشی کے عالم میں جمال افروز ڈولی میں بیٹھ گئی۔۔ صحن بھر لوگوں کے بے لفظ فلسفے کے پس منظر میں جس کا لب لباب یہ تھا۔ جاؤ ہمارے چنے ہوئے گھر میں۔۔ ہمارے چنے ہوئے مرد کے ساتھ۔ ہماری چنی ہوئی راہ پر چلو کہ یہ ہندوستانی لڑکی کا حسن ہے۔ اس کی وفا اور اس کا ایثار ہے۔ وہ زمین کی طرح صابر اور وسیع القلب ہے۔ اس کی اپنی کوئی رضا نہیں۔ زمین کی طرح وہ جیٹھ، اساڑھ، ساون، بھادوں سب سہار سکتی ہے۔ اور اس کی طرح سب کی پالن ہارے ہے۔ لکن سب کے پاؤں میں پامال بھی ہے۔'' چنانچہ زمین کی طرح کا موش، زمین کی طرح ان جلے سینے میں چھپائے ایک پرائے گھر کو سینچنے سنوارنے، اپنی تازگی اور حسن کا بلیدان دینے جمال افروز اپنی رضا سے مجبور ہو کر چلی گئی۔'' (19)

ان رسوم ورواج کی بھینٹ چڑھنے والا کردار زیادہ تر خواتین کردار ہی دکھائے گئے ہیں لیکن کہیں کہیں نثار عزیز بٹ کی دردمندی وسیع ہو کر نوجوان کے نفسیاتی مسائل کو بھی بیان کرتی ہے۔ ''نے چراغ نے گلے'' میں ایسی معاشرت دکھائی گئی جس میں ہندو مسلم اور انگریز معاشرت کا آپس میں میل جول اور ربط دکھایا گیا ہے جس کے نتیجے میں سیکولر معاشرے کی داغ بیل پڑتی ہے۔ دیوان چند کا لڑکا من موہن ایسی ہی شخصیت کا پرتو ہے جیسا کہ ان کے پہلے ناول ''نگری نگری پھرا مسافر'' میں افگار ہے۔ یہ کردار اپنے آدرش کے لیے دنیا تیاگ دہے کو تیار ہے۔ وہ بھینٹ پسند ہے اور حالات سے سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں وہ یہ کردار ''افگار'' سے زیادہ وسیع ہے کیونکہ یہ اپنی ذات اور وجود کے مسائل کے ساتھ ملک کے سیاسی اور سماجی حالات سے بھی وابستہ ہے۔ دوسری طرف اس کی بہن پدمنی ہے جو ہندوؤں کے قبول وانجذاب کی

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

خصوصیت کی نمائندگی کرتی ہے۔اپنی سوچ اور دائرے سے باہر نکل کر اپنے آدرش کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔

جس طرح انسان کے مختلف عقائد و نظریات ہوتے ہیں بالکل اسی طرح سماج میں سانس لینے والے انسان مزاج و مذاق میں بھی مختلف ہوتے ہیں لیکن اختلافات، تکلیف دہ نہیں ہوتے لیکن سماجی مساوات کو نقصان اس وقت پہنچتا ہے جب انسان طبقاتی اور معاشی تقسیم کا شکار ہو کر معزز و ذلیل اور امیر اور غریب طبقوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ادیب اور مصنفین اپنی حساس طبیعت کی وجہ سے اس درجہ بندی کو پسند نہیں کرتے۔ہندوستانی سماج میں خاص طور پر یہ مسائل خاصے اہم ہیں اور سنجیدہ شکل اختیار کر چکے ہیں۔خاص طور پر مقبوضہ کشمیر کی معاشرت جو آج تک قابل حل ہیں۔نثار عزیز بٹ نے ایک ہندو کی نظر سے بھی اس خطے کی صورتحال کو پرکھا ہے:

> ''مسموبن تو اس خوبصورت وادی کے دریاؤں پہاڑوں اور پھولوں اور درختوں سے ڈھکی آبی شاہراہوں کے شدید سحر کا احساس تھا، وہاں اسے کشمیری عوام کی غربت بھی نظر آ رہی تھی۔ہر شاندار ہاؤس بوٹ کی پشت سے لگی ہوئی ایک میلی کچیلی گھاس سے ڈھکی ہوئی پرانی کشتی ہانجیوں کی بھی ہوتی تھی وہ ہاؤس بوٹ میں ٹھہرے ہوئے خاندان کی خدمت کرتے تھے۔۔آخر اتنے حسن میں یہ غربت کا ناگ کہاں سے آن گھسا تھا؟ پھلوں پھولوں سے ڈھکی ہوئی یہ وادی بالآخر غربت کا شکار کیوں تھی؟۔''(20)

کسی خطے یا ملک میں رہنے والوں کی تہذیب کی روح ناول میں پوری طرح جلوہ گر ہو سکتی ہے۔سماجی اور سیاسی تبدیلی، برادری اور خاندان کے تصور میں کیا تبدیلی لا سکتی ہے۔عقائد کس طرح شکست کھا رہے ہیں اور ذاتی شخصیات کس توڑ پھوڑ کا شکار ہیں۔یہ سب اس ناول میں سمیٹا گیا ہے۔اس طبقاتی تفرقے کے پاٹ میں بسنے والے لوگ مفاہمت کی راہ تلاش کرنے اور امن و امان جیسی قیمتی دولت کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے جنگ و جدل کو شرک کر کے سماجی انصاف و مساوات کا درس دینے لگتے ہیں۔اور ''اہنسا'' جو کہ جین مت نظریہ ہے اس کے مطابق نجات کا راستہ صرف یہی ہے کہ کسی جاندار کو تکلیف نہ دی جائے۔اس کی وضاحت اور ضرورت پر زور دیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ اپنی بقا کی جنگ کا درس بھی موجود ہے:

> ''ہندوستان تلوار اٹھائے گا۔لیکن بے عزتی اور بزدلی کی بے بسی برداشت نہیں کرے گا۔اہنسا ایک سپاہی کا زیور ہے۔اہنسا انسانیت کا قانون ہے۔جیسے ہنسا جانوروں کا قانون ہے۔جانور روح کو نہیں جانتے۔صرف جسم کی قوت کو جانتے ہیں۔انسان کو روح کی قوت کے سامنے جھکنا چاہیے اور اسی لیے میں ہندوستان کے سامنے

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

قربانی کا پراچین قانون رکھتا ہوں ۔ ہم کمزور نہیں ہیں۔ طاقت صرف جسم کی نہیں ہوتی ہتھیار سے ہی نہیں آتی۔ طاقت آہنی عزم سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ رشی جنہوں نے اس ظلم کی دنیا میں اہنسا کی قوت کو دریافت کیا۔ نیوٹن سے بڑے سائنس دان تھے۔(21)

سماجی اصطلاح کی بیشتر تحریکیں مذہبی رنگ لیے ہوئے تھیں۔ ہندوؤں میں سماجی اصطلاح کی کوشش 1857ء سے شروع ہو چکی تھیں۔ سب سے پہلے راجہ من موہن رائے اس طرف قدم بڑھایا۔ نثار عزیز بٹ نے اپنے ناول ''نے چراغ نے جلے میں'' ان تحریکوں کاوشوں اور ہندو مسلم اتحاد کا تذکرہ کیا ہے:

''چوپڑہ تھوڑی دیر خاموش رہا تو نہرو نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ بعض لمحے تاریخی ہوتے ہیں۔ اب بتاؤ کہ پھر کب طلباء سکول اور کالج چھوڑیں گے۔ بدیشی کپڑے کے ڈھیر سب جلیں گے؟ لوگ خطابات واپس کریں گے۔ اور سب سے بڑی بات ہندو مسلم اتحاد اتنا مکمل ہو گا؟ باپو نے تو تاریخ تک کا اعلان کر دیا تھا کہ ستمبر 21ء کو ہندوستان آزاد ہو جائے گا۔ پھر چوراچوری میں مشتعل ہجوم نے ایک پولیس اسٹیشن کو آگ لگادی جس میں چوبیس آدمی جل گئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے باپو نے امید کے نکتہ عروج سے ملک کو بے عملی کے کھڈ میں دھکیل دیا۔ اب بولو کہ آئندہ کون کانگریس پر اعتماد کرے گا اور کون جدوجہد آزادی میں کانگریس کا ساتھ دے گا۔؟'' (22)

انسان میں خود اعتمادی سماج سے ہی جنم لیتی ہے گھر میں سیکھنے کے ساتھ ساتھ وہ باہر بھی اپنے ساتھیوں سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ انسان تہذیب یافتہ ہے اور وہی تہذیب کی تعمیر و تشکیل کرتا ہے۔ نثار عزیز بٹ نے ایک غیر جانبدار مورخ کی طرح اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ تہذیب سماج کا سیکھا ہوا طریقہ ہے ایسی قومیں جو بدلتی ہوئی تہذیب کے مطابق اپنے قابل تبدیل اقدار روایات میں لچک پیدا کر لیتی ہیں۔ آگے بڑھ جاتی ہیں، اس سلسلے میں ان کا رویہ ہندوؤں کے تاریخی کردار کا حوالہ دیتی ہیں۔ ہندوؤں میں معاشرے کے فرقے کو ہوا دیتے تھے اور اس بنا پر چھوٹ چھات کا برتاؤ کیا جانے لگا۔ ان سماجی مسائل کا خاتمہ کرنے کے لیے ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں نے اپنی تحریروں میں ان مسائل کو پوری طرح اجاگر کرنے کی کوشش کی جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے:

''رہن سہن کے انداز پرانے تھے اور سوچنے، سمجھنے کا منبع مسلمانوں کے لئے ابھی تک عربی اور فارسی زبانیں

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تھیں۔ وہ انگریزی تعلیم سے اجتناب کرتے تھے۔ ہندو اکثریت کا کردار اس زمانے میں البتہ مختلف رہا۔ وہ پہلے ہی اسلامی طرز خیال کی یورش سے اپنے ثقافتی ڈھانچوں کو جس حد تک ان کے لئے ممکن تھا، تبدیل کر چکے تھے ۔ لیکن اب موقع ملنے پر وہ بڑی تندہی سے انگریزی کی طرف ملتفت ہوئے اور جلد ہی ان تمام چھوٹی موٹی نوکریوں پر قابض ہو گئے جو انگریزوں نے کمال فیاضی سے ہندوستانیوں کے لئے وقف کر رکھی تھیں کیونکہ انگریز شروع شروع میں خصوصاً 1857ء کے ''غدر'' کے بعد سے مسلمانوں کے بجائے ہندوؤں کو زیادہ قابل اعتماد سمجھتے تھے۔'' (23)

ہندوستان کی سیاست اور سماج نے بڑے اتار چڑھاؤ دیکھے۔ بڑے انقلابات آئے چنانچہ اس سے متاثر ہو کر ناول بھی لکھے گئے۔ نثار عزیز بٹ نے اپنے ناول ''نے چراغ نے گلے'' میں ان نشیب و فراز کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ نثار عزیز بٹ ایک نہایت سنجیدہ ذی علم اور گہری انسان تھیں۔ تاریخ و تہذیب، فلسفہ اور نفسیات ان کے محبوب موضوعات تھے۔ ان کے کردارں کے فصیح و بلیغ بیانات میں مصنفہ کی سیاسیات، سماجیات اور دیگر علوم پر عبور کی جھلک نمایاں ہے۔ کہیں انہوں نے ان سیاسی حالات کو جبر کے انداز میں اور کہیں خانگی ماحول میں پیوست کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن دونوں صورتوں میں ناول پر مصنفہ کے فطری مزاج کی چھاپ بہت گہری ہے:

''حبیب اللہ خان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا: یہ مسئلہ ایسا نہیں جو ایک دو مسلمانوں کی قابلیت سے حل ہو سکے۔ مسلمانوں کے عروج کا مطالعہ کرو، پھر مسلمانوں کا زوال دیکھو تو سخت مایوسی ہوتی ہے۔ علم شریعت کوئی جانتا نہیں، قرآن مجید پر کوئی عمل نہیں کرتا۔ نبوت ختم ہو گئی، خلافت عالم نزع میں ہے۔ افغانستان میں اس آدمی کو عالم سمجھا جاتا ہے جس نے خلاصہ کیدانی، مینتہ المصلی، قدوردی، کنزالا قائق ہدایہ اور ان کی شرح میں پڑھی ہوں۔ علما کی حالت یہ ہے کہ کسی نہ کسی مسجد کی امامت کرتے ہیں اور صدقے خیرات پر ان کی گزر رہے کہ تجارت نہ حرفت، نہ زراعت، چنانچہ ایک دوسرے کی غیبت میں وقت صرف کرتے ہیں اور صدقہ حاصل کرنے کے لیے پیش از پیش حیلہ کرتے ہیں۔ ایسے علماء سے تو ناخواندہ آدمی ہی بہتر ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ اسلام میں ایک بھی نئی بات پیش کرنا کفر، بدعت اور ضلالت ہے۔ جو کچھ آگے علماء کر چکے ہیں، وہ کافی ہے۔ جب یہ صورت ہو تو مسلمان روبہ زوال نہ ہوں گے تو کیا ہو گا۔''(24)

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

1857ء کا انقلاب جسے عام طور پر انگریز محض غدر کے نام سے پکارتے، ہندوستان کے سیاسی، سماجی ارتہذیبی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ درجہ بالا اقتباس میں بالواسطہ مسلمانوں کے سیاسی اور سماجی زوال کے اسباب پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ہندوؤں کے جنگ آزادی میں شکست کے بعد تمام الزامات مسلمانوں پر رکھ دیئے جس سے وہ انگریزوں کے امتیازی سلوک کے مستحق قرار پاتے مسلمان سے ہی اپنے مذہبی اور معاشرتی رسم ورواج کی بدولت تعلیم سے دور تھے۔ عثمان علی اور دیوان چند کے گھر کے ماحول کا درج ذیل نقشہ ہمیں ہندو اور مسلم قوم کے سماجی حالات میں تفریق کو دکھاتا ہے جو واضح طور پر مسلمانوں کے زوال اور ہندوؤں کی تعلیم اور روشن خیالی کے سبب عروج کی کہانی کو پیش کرتا ہے:

> ''عثمان علی اور دیوان چند کے گھروں کی فضا میں بہت فرق تھا ایک تو مذہب کا کہ یہ مسلمان گھرانا تھا اور وہ ہندو پھر دیوان چند ذرا مضربیت کے دلدادہ تھے۔ چنانچہ ان کی لڑکیاں ایک عیسائی عورت سے گھر پر انگریزی پڑھتی تھیں۔ ویسے بھی وہ وقتاً فوقتاً لاہور اپنے عزیزوں سے ملتے جائیں۔ اور یوں گویا جدید دنیا کی ہوا کھا آئیں۔ اس کے برعکس خانم کے گھر میں سخت ضابطے اور دباؤ کی فضا تھی۔ لڑکیاں زیادہ سہمی رہتیں، گھر سے باہر بہت کم نکلتیں اور سارا وقت گھر کے کام کاج میں مصروف رہتیں۔''(25)

عوامی اور گھریلو سطح کی یہ تصاویر اپنے سماج اور قوم کی نمائندگی قاری کو واضح طور پر برصغیر کے سماجی حالات سے وابستگی کو دکھاتی ہیں۔ نثار عزیز بٹ جیسی صاحب فکر مصنفہ نے بھی ناول میں ڈپٹی نذیر احمد کی طرہ ڈالی گئی۔ لیکن ان کا انداز مصنوعی پن سے مبرا اور ادبی تقاضوں کے قرین ہے۔ قوم کی خامیوں کو دور کر کے ان کو سطور کی روشنی بخشنے کا مقصد ناول نگار کے پیش نظر تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مصنفہ نے ''نے چراغ نے گلے'' کی طویل کہانی کو ترتیب دیا۔ اسی ذہن اور منصوبے کے تحت تخیلات اور مشاہدات کے چشمے اس ناول کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں خانگی حالات پر تبصرے، معاشرتی مسائل کو تنقیدی انداز میں پیش کرتے ہیں۔

دیوان چند اور اس کی بیٹیوں پر تبصرہ دراصل سماج کے مزاج کو پیش کرتا ہے، جس میں فراغت اور ذہنی مصروفیت نہ ہونے کے باعث خواتین اپنے ارد گرد رہنے والے لوگوں کے بارے میں فرصت سے تبصرے کرتے ہیں۔ ایسے غیبت پسند خواتین کا نمائندہ کردار خانم ہے۔ لیکن جمال افروز اسکی بڑی بیٹی ایسی باتوں سے ذہنی کوفت میں مبتلا ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ اپنی ماں سے ذہنی فاصلہ اختیار کر لیتی ہے اور جبر کے اس سماجی ماحول کو قبول کر لیتی ہے۔

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

من موہن دیوان چند کا لڑکا جمال افروز کو پسند کرتا ہے لیکن یہاں بھی مذہبی اور سماجی دیوار ہے۔ وہ جمال افروز کے سحر میں گرفتار ہے اور ضیاءاللہ سے شادی طے ہو جانے کے بعد جمال افروز کو بھی احساس ہوتا ہے کہ وہ من موہن کو پسند کرتی ہے لیکن مذہب ان کے راستے جدا کر دیتا ہے لیکن من موہن جمال افروز کے سحر سے انگریز لڑکی آیتوی سے ملنے کے بعد بھی آزاد نہیں ہو پاتا لیکن دوسری طرف اس کی ہندو سہیلی اور ہمسائی پدمنی صرف اپنی مذہبی حدود سے نکل آتی ہے بلکہ مصلحتاً اپنی محبت کو بھی چھوڑ دیتا ہے اور اپنی مرضی سے مسلمان لڑکے میر سے شادی کر کے سماجی دیواروں کو بھی توڑ دیتی حاصل ہے۔

''نے چراغے نے گلے'' کے آواخر میں ان مسائل کا منتج تجزیہ ملتا ہے جو آزادی کے متعلق ہیں۔ اس بے راہ روی، فرقہ وارانہ، فسادات، عورتوں کا اغواء، ڈکیتی کی واردتوں کا ذکر کیا گیا جو اس وقت کے اہم سماجی مسائل تھے۔ اس ناول میں نثار کی سوچ ناول نگار کے فلسفیانہ نظریات کی ترجمان ہے۔ یہ کردار بھی دیگر کرداروں کی طرح سماجی کردار ہے لیکن ان کا آدرش خود اذیتی یا خود جبری سے نکل کر قومی اور بین الاقوامی مفاد سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ وہ سماجی مساوات اور انسانی ہمدردی کو فروغ دینے کے لیے مذہبی تعصبات، نسلی تفاخر و احساس کمتری اور زبان و رنگ سے آزاد ایک جنت نظیر معاشرے کے قیام کا خواہاں ہے۔ لیکن ایسا آزاد اور انسانیت پرست معاشرہ اس کو کہیں نظر نہیں آتا۔

حوالہ جات

1۔ نثار عزیز بٹ، مضمون نے چراغے نے گلے، فنون، لاہور، 1973ء، ص190
2۔ جاوید اختر، ڈاکٹر، سید، اردو کی ناول نگار خواتین، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1997ء، ص186
3۔ ایضاً
4۔ نثار عزیز بٹ، مجموعہ نثار عزیز بٹ، نے چراغ نے گلے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2009ء، ص248
5۔ نثار عزیز بٹ، مجموعہ نثار عزیز بٹ، نے چراغ نے گلے، ص304
6۔ نثار عزیز بٹ، مجموعہ نثار عزیز بٹ، نے چراغ نے گلے، ص303
7۔ سلطانہ بخش، ڈاکٹر، پاکستانی ادبیات میں خواتین کا کردار، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، س ن، ص25
8۔ نثار عزیز بٹ، مضمون نے چراغ نے گلے، ص192
9۔ نثار عزیز بٹ، مضمون نے چراغ نے گلے، ص239
10۔ نثار عزیز بٹ، مضمون نے چراغ نے گلے، ص243
11۔ نثار عزیز بٹ، مجموعہ نثار عزیز بٹ، نے چراغ نے گلے، ص284

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

12۔ نثار عزیز بٹ، مضمون نے چراغ نے گلے، ص254
13۔ ایضاً، ص250
14۔ نثار عزیز بٹ، مضمون نے چراغ نے گلے، ص249۔250
15۔ ایضاً، ص259
16۔ نثار عزیز بٹ، مجموعہ نثار عزیز بٹ، نے چراغ نے گلے، ص274
17۔ نثار عزیز بٹ، مجموعہ نثار عزیز بٹ، نے چراغ نے گلے، ص275
18۔ ایضاً، ص277
19۔ نثار عزیز بٹ، مجموعہ نثار عزیز بٹ، نے چراغ نے گلے، ص280
20۔ نثار عزیز بٹ، مضمون نے چراغ نے گلے، ص256
21۔ نثار عزیز بٹ، مجموعہ نثار عزیز بٹ، نے چراغ نے گلے، ص267
22۔ ایضاً
23۔ نثار عزیز بٹ، مجموعہ نثار عزیز بٹ، نے چراغ نے گلے، ص265
24۔ نثار عزیز بٹ، مضمون نے چراغ نے گلے، ص246
25۔ نثار عزیز بٹ، مضمون نے چراغ نے گلے، ص251